سندھ طاس معاہدہ: حقائق اور نتائج

اِسماعیل موسیٰ[۱]
رانی اِرم[۲]
محمد عمیر رفیق[۳]

ABSTRACT:

The purpose of this article is to prepare a foundation for widening the scope of the Indus Waters Treaty from a water sharing agreement to a comprehensive tool for the sharing. Water is essential for the whole life. Managing water is a challenging task, particularly in shared water basins that host more than half of the world's population. This article explores threats and opportunities through the presentation of case studies that analyze the multi-faceted and dynamic nature of the interplay between domestic politics and international concerns on Indus basin issue. . The central thesis of this project is to explore how a regional (sub-national) dynamic can be built into the Indus Waters Treaty to address the inequitable regional sharing of the Indus basin. This regional dynamic, a shift from conventional nation-state management approach to trans boundary waters, can become a stepping stone for the joint management of the Indus basin

تلخیص

مذکورہ مقالہ پانی کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے۔ پانی زندگی ہے، جس کے بغیر جینے کا تصور ہی ناممکن ہے۔ پانی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ماہرین کے خیال میں تیسری عالمی جنگ کی بنیادی وجہ پانی ہی ہوگی۔ پاکستان اور ہندوستان پانی کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں۔ کیونکہ دریائی پانی کی تقسیم کا تنازعہ آزادی کے ساتھ ہی دونوں ممالک کو بطور ورثہ ملا۔ پانی کے اس تنازعہ کو حل کرنے کے لیے کیا جانے والا سندھ طاس معاہدہ بھی آج تک اس مسئلے کو حل نہیں کرسکا۔ اس مقالے میں پانی کے اس تنازعہ اور اس سے متعلق معاہدے کی پیچیدگیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور پاکستان پر اس یکطرفہ معاہدے سے پڑنے والے منفی اثرات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مختلف کتب، اخبارات ورسائل اور انٹرنیٹ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں کارفرما عوامل کا مختصراً جائزہ لیا گیا ہے۔

۱ ڈاکٹر، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ سیّاسیّات، وفاقی اُردو جامعہ (مولوی عبدالحق کیمپس) برقی پتا: dr.im62@hotmail.com
۲ لیکچرار، شعبہ سیّاسیّات، وفاقی اُردو جامعہ (مولوی عبدالحق کیمپس) برقی پتا: erumaali@yahoo.com
۳ ریسرچ اسکالر، شعبۂ سیاسیات، جامعہ کراچی برقی پتا: mm.umaair@hotmail.com
تاریخِ موصولہ: ۶ جون ۲۰۱۳ء

تعارف

جب ۱۹ ستمبر ۱۹۶۰ء کو فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے سندھ طاس معاہدے (Indus Water Treaty) پر دستخط کیے تو پاکستان نے اپنے حصے کے تین مشرقی دریاؤں ستلج، راوی اور بیاس میں بہنے والے ۱۶ ملین ایکٹر فٹ پانی کو صرف ۱۷۴ ملین ڈالر میں بھارت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فروخت کر دیا۔ ہم انگریزوں سے گلہ کرتے تھے کہ انہوں نے ریاست جموں کشمیر کا ۸۴،۴۷۱ مربع میل رقبہ صرف ۵۰ لاکھ روپے میں مہاراجہ گلاب سنگھ کو فروخت کر دیا لیکن ہم اپنے پانی کا گلہ کس سے کریں اس میں تو ہمارے اپنے حکمران اور سیاستدان ملوث ہیں اس معاہدے پر ۱۹۶۲ء میں کام شروع ہوا اور دس سال کی قلیل مدت میں دو ڈیم، ۵ ہیڈ ورکس، ایک سائفن اور ۴۰۰ میل لمبی رابطہ نہریں سب مراحل طے کر کے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس عرصے میں بھارت طوعاً و کرہاً پاکستان کی نہروں کو پانی دیتا رہا۔ اس کے بعد پانی کا یہ سرچشمہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ سندھ طاس معاہدہ تقریباً یکطرفہ تھا۔ پاکستان کی طرف سے اس معاہدہ کو ایک سہل نگار بیوروکریٹ نے لکھا جبکہ بھارت کی طرف سے اس معاہدے کو انجینئر قائد گلھاٹی نے تحریر کیا اور اس نے بھارت کی جانب سے ہر قسم کے تحفظات کا اندراج کیا۔ جس کی بناء پر بھارت نے نہ صرف ماضی میں اس معاہدے سے ہر ممکن فائدہ اٹھایا بلکہ حالیہ برسوں میں بھی اس معاہدے کو اس انداز میں استعمال کیا ہے، اس کی خلاف ورزیاں اس طرح کیں ہیں کہ پاکستان کہیں فریاد بھی نہیں کر پا رہا ہے، مقدمہ پیش کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت مشرقی دریاؤں کے بعد پاکستان مغربی دریائے چناب کا پانی بھی تقریباً کھو چکا ہے اور وہاں پانی کے بجائے اس وقت خاک اُڑ رہی ہے۔ اسی قسم کا کچھ حال دریائے جہلم کا بھی ہونے والا ہے۔ یہ معاہدہ پاکستان کو صحرا میں تبدیل کرنے کی ایک سازش تھی جس میں پاکستانی زعما نے بھی نادان دوستی نبھائی۔

آج صورتحال یہ ہے کہ بھارت بین الاقوامی قانون برائے تقسیم پانی کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے مغربی دریاؤں پر ڈیم کے ڈیم بنا رہا ہے۔ یہ یکطرفہ سندھ طاس معاہدے کی بھی کھلی خلاف ورزی ہے۔ پاکستان کو پانی کی شدید قلت کا سامنا ہے اس میں کچھ کردار نئے ڈیم تعمیر نہ کر کے حکومت پاکستان نے بھی ادا کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس بحران کا جلد از جلد سدباب کیا جائے۔ سندھ طاس معاہدہ ستمبر ۱۹۶۰ء میں ہوا۔ یہ ایک یکطرفہ معاہدہ تھا اس معاہدے کو اس کے پیچھے کارفرما عوامل کو جانے بغیر نہ تو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔

تاریخی پس منظر

قیام پاکستان کے بعد بھارت نے ہر ممکن کوشش کی کہ پاکستان کمزور اور غیر مستحکم ہو جائے اس کے لیے بھارت نے ہر اوچھا ہتھکنڈہ استعمال کیا۔ اس میں بھارت میں مشرقی پنجاب بنگال، بہار اڑیسہ میں مسلمان مہاجرین کی باقاعدہ نسل کشی کی گئی،

پاکستان کے حصے کے اثاثے دینے میں غیر ضروری تاخیر کی گئی، فوج اور ضروری اسلحہ جو پاکستان کا حصہ تھا وہ بھی صحیح طور پر تقسیم نہیں کیا گیا پاکستان کو خراب اور ناکارہ اسلحہ دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ ۱۹۴۸ء میں کشمیر کے حوالے سے جنگ بھی مسلط کر دی گئی تھی۔

اس پر ہی بس نہیں کیا گیا بلکہ یکم اپریل ۱۹۴۸ء کی صبح بھارت نے پاکستان کی نہروں کا پانی بند کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب یہ ہوا تو پاکستانی وفد وزیر خزانہ غلام محمد کی قیادت میں اس آفت ناگہانی کے حل کے لیے دہلی گیا۔ دو تین ہفتے کے مذاکرات لاحاصل رہے۔ در پردہ اس سارے ڈرامے کے پیچھے ماؤنٹ بیٹن خود تھا۔ پاکستان نے نیک نیتی سے کوشش کی کہ اُس مسئلے کا کوئی منصفانہ حل نکل آئے لیکن بھارت نے ہر معقول تجویز کو ٹھکرا دیا اور کشمیر کی طرح تینوں مشرقی دریاؤں کے کُل آبی وسائل کو غصب کرنے کے لیے اسے بھارت کا اٹوٹ انگ کہتا رہا۔

آخری وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے بٹوارے کے سخت مخالف تھے۔ حالات و واقعات سے یہ بات ظاہر ہوگئی تھی کہ اسی بناء پر لارڈ ویول (جو غیر جانبدار تھے) کو ہٹا کر مروّجہ معیار عہدہ کے اصولوں کو پس پشت ڈال کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو صرف تقریباً تین ماہ کے لیے وائسرائے ہند بنایا گیا۔ اس غیر اصولی تبدیلی میں وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کی پنڈت جواہر لال نہرو سے ذاتی دوستی بھی کارفرما تھی۔ اس دوستی نے تقسیم ہند میں بندر بانٹ کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے بھارت کو ہر ظاہری اور پوشیدہ طریقے سے مالا مال کر دیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے وائسرائے بنتے ہی کوشش کی کہ تقسیم عمل میں نہ آئے لیکن قائداعظم کہ اولوالعزمی اور چٹانی ارادے کے آگے اس کو جھکنے کے سوا چارہ نہ رہا اور اُسے پاکستان کا مطالبہ ماننا پڑا۔ یہ ناکامی ماؤنٹ بیٹن کے ذہن سے کبھی محو نہ ہوئی، اِس کی ذات سے انصاف کا عنصر عنقا ہو گیا اور وہ پاکستان دشمنی میں بھرپور کردار ادا کرتا رہا۔ تقسیم پنجاب کے لیے بدنیتی پر مبنی شرائط حوالہ (Terms of Reference) ریڈکلف ایوارڈ کی تبدیلی، کشمیر کا بھارت سے الحاق کرانا، یہ سب اس کی پاکستان دشمنی کی کڑیاں ہیں۔ چونکہ ان سب چیزوں کا اثر بالآخر مشرقی تین دریاؤں کے پانی کھوئے جانے پر پڑا اس لیے ان عوامل کو جاننا بھی بے حد ضروری ہے۔

پاکستان نے ماؤنٹ بیٹن کو بھارت کے ساتھ پاکستان کے گورنر جنرل بننے کی پیشکش مسترد کر دی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن پاکستان کے خلاف تو شروع ہی سے تھا مگر اس انکار کے بعد بلی تھیلے سے مکمل طور پر باہر آ گئی اور ماؤنٹ بیٹن نے واضح طور پر پاکستان کو سنگین نتائج کی دھمکی دی۔ اس دھمکی کی دھماکہ خیز نمائش اس وقت ہوئی جب یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو پاکستان کی نہروں کا مادھوپور سے آنے والا پانی بند کر دیا گیا اور ماؤنٹ بیٹن نے ۴ مئی ۱۹۴۸ء کو حکم نامہ جاری کیا جس کی اہم شق یہ تھی کہ تین مشرقی دریاؤں کے پانیوں پر مشرقی پنجاب کی گورنمنٹ کو مکمل طور پر مالکانہ حقوق حاصل ہیں اس طرح گورنر جنرل نے اپنی طاقت کے بل بوتے ہر پاکستان کو زبردستی پانی کے تنازعہ میں گھسیٹ لیا۔ ہندوستان کی تقسیم کے فیصلے کے ساتھ ہی پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے لیے ایک باونڈری کمیشن تشکیل دیا گیا اس کا چیئر مین ریڈکلف کو بنایا گیا اس کی تعیناتی میں بھی ماؤنٹ بیٹن کا ہاتھ تھا۔ کچھ ذرائع کے خیال میں وہ انصاف کرنا چاہتا تھا مگر وائسرائے کے حکم پر اسے ڈنڈی مارنی پڑی۔(۱)

باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا مقدمہ سر ظفر اللہ خان نے پیش کیا مگر مسلم لیگ کے دلائل ریڈکلف نے خود نہیں سنے چنانچہ فیصلہ باونڈری کمیشن کے ممبران جسٹس دین محمد اور جسٹس محمد منیر کی رپورٹوں پر مبنی ہونا تھا مغربی پنجاب کے محکمہ انہار کے انجینئروں نے سر ظفر اللہ خان کے دلائل سننے کے بعد محسوس کیا کہ نہروں اور ہیڈ روکس کے اعداد و شمار کے ساتھ پوری وضاحت سے پاکستان کا نقطۂ نظر پیش نہیں کیا گیا لہٰذا وہ جسٹس دین محمد سے ملنے گئے مگر انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ اگر صحیح اعداد و شمار اور صورتحال واضح ہو جاتی اور جسٹس صاحب ریڈکلف پر ہیڈ ورکس اور نہروں کی اہمیت پر زور دیتے تو شائد ریڈکلف ماؤنٹ بیٹن کی ظالمانہ سفارش پر اپنے فیصلے پر خط تنسیخ نہ کھینچتا اور فیروز پور اور مادھو پور دونوں ہیڈ ورکس جو مشرقی دریاؤں کے پانیوں کو کنٹرول کرتے تھے ہندوستان کو نہ دیتا بلکہ فیروز پور ہیڈ ورکس کم از کم پاکستان میں شامل ہو جاتا۔ اس کے باوجود اصل کمیشن کی رپورٹ میں فیروز پور ہیڈ ورکس پاکستان میں تھا مگر وائسرائے نے ایوارڈ کا فیصلہ ۱۲راگست سے ۱۷راگست تک موخر کر دیا اور اس دوران اس نے اس میں تبدیلی کرادی۔ اس طرح مشرقی دریاؤں کا پانی کھوئے جانے کی اصل ابتداء اس غیر منصفانہ ایوارڈ سے ہوئی۔ یہ ایوارڈ اِسی لیے ۱۲راگست کے بجائے ۱۷راگست کو ہوا۔ پاکستان آج تک اس ریڈکلف ایوارڈ کے نتائج بھگت رہا ہے۔ (۲)

نہری پانی کا یکطرفہ بیان/ معاہدہ

یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو مادھو پور ہیڈ ورکس سے آنے والا پانی بند کر دیا گیا۔ پاکستان کی طرف سے بے شمار احتجاج ہوئے، حکومتی سطح پر مذاکرات ہوئے لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات کے سوا کچھ نہ نکلا۔ پاکستان نے تجویز دی کہ اس معاملے کو International Court of Justice کے سامنے پیش کر کے اس کا تصفیہ کرالیا جائے چونکہ بھارت نے اس جھگڑے کی بنیاد سراسر ناانصافی پر رکھی تھی اس لیے اس کو سو فیصد یقین تھا کہ فیصلہ اس کے خلاف ہوگا۔ اس لیے اس نے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے لیے کامن ویلتھ تنظیم کا سہارا لیا۔ کیونکہ پاکستان بھی اس وقت اس کا ممبر تھا اور مذکورہ عدالت کے دروازہ اکیلئے نہیں کھٹکھٹایا جاسکتا تھا اس کے لیے بھارت کی رضامندی ضروری تھی۔

۳۴ دن کی ظالمانہ پانی کی بندش کے بعد ایک یکطرفہ بیان / معاہدہ پر ۴مئی ۱۹۴۸ء کو پاکستان سے زبردستی دستخط کروا کر نہروں میں دوبارہ پانی چھوڑا گیا اس بیان یا معاہدے کی دو اہم شقیں درج ذیل ہیں۔ (۳)

۱۔ پنجاب کی تقسیم کے حکم ۱۹۴۷ء اور ثالثی فیصلہ کے تحت مشرقی پنجاب میں بہنے والے دریاؤں کے پانی پر ملکیتی حقوق مکمل طور پر مشرقی پنجاب کے پاس ہیں۔

۲۔ حکومتیں اس مسئلے کو عملی طور پر حل کرنے کے لیے بے چین ہیں۔ مشرق پنجاب کی حکومت ان نہروں میں پانی کی سپلائی کو بتدریج کم کرتے ہوئے مغربی پنجاب کی حکومت کو معقول وقت دے گی تا کہ وہ اپنے متبادل ذرائع قائم کر سکے۔

مندرجہ بالاشقوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ بھارت کا پاکستان کی نہروں کے حصے کا پانی ہڑپ کرنے کا بدنیتی پرمبنی فاسدارادہ شروع سے ہی بن چکا تھا۔ پاکستانی ارباب سیاست کا طرزعمل بھی شروع ہی سے اس سلسلے میں غیر دانشمندانہ رہا ہے ریڈکلف ایوارڈ کا تو پاکستان کچھ نہیں کرسکتا تھا مگر بعد میں ہونے والی زیادتیوں کا بھی درست طور پر سدباب نہیں کیا گیا۔ پانی کے اس بہت ہی اہم زندگی اور موت کے مسئلے کی خاطر پاکستان کامن ویلتھ کی رکنیت چھوڑ دیتا اور بین الاقوامی عدالت میں اپنے ساتھ ہونے والی صریحاً ناانصافی کا مقدمہ پیش کردیتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا یہ بے حد حیرانگی کی بات ہے۔ملک

غلام محمد نے ۴مئی ۱۹۴۸ء کو ایک ایسے بیان یا معاہدے پر دستخط کردیئے جو آگے چل کر مشرقی دریاؤں کے پانی کی محرومی کی وجہ ثابت ہوا۔اس کے علاوہ بھارت نے پانی اور نہروں پر ہونے والے مذاکرات کے لیڈر ماہرانجینئر بنائے جبکہ پاکستان کی طرف سے۔سیاستدان کو فریضہ دیا گیا نتیجتاً کم علمی کے باعث پاکستان اپنا جائزحق بھی نہ منوا سکا اور اس غیر دانشمندانہ رویہ نے پاکستان کو آخر کار ایک ایسا معاہدہ کرنے پر مجبور کردیا جو آج تک تباہ کن ثابت ہورہا ہے۔

جھگڑے کی قانونی حیثیت

دریائے راوی پر مادھو پور ہیڈ ورکس ۱۸۶۱ء میں بنا اور فیروز پور ہیڈ ورکس ۱۹۲۷ء میں تعمیر ہوا تھا جن سے پاکستان کی نہروں کو ۱۹۴۸ء تک کسی تعطل کے بغیر پانی ملتا رہا۔یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو بھارت نے بغیر کسی نوٹس کے ان نہروں کا پانی بند کردیا۔اس طرح بھارت کے ساتھ پاکستان کا پانی کا جھگڑا شروع ہوا بھارت کے اس غیر منصفانہ عمل کی بین الاقوامی طور پر قانونی حیثیت جاننے کے لیے ضروری ہے بین الاقوامی قانون برائے پانی کی تقسیم اور پانی کے صنعتی اور زرعی استعمال کے بارے میں بین الاقوامی حدوں سے گذرنے والے دریاؤں کے لیے وضع کردہ قوانین کو جانیں۔

۱۹۱۱ء، Institute of International Law کے وضع کردہ قوانین کی اہم شق کے مطابق:

> ''جب بھی کوئی دریا دوملکوں کے درمیان سرحد بنارہا ہو، ان میں سے کوئی بھی ملک دوسرے ملک کی اجازت کے بغیر اور کسی مخصوص قانونی استحقاق کی عدم موجودگی نہ تو خود اور نہ ہی کسی نجی شخص یا کمپنی کو ایسی تبدیلیاں لانے کی اجازت دینے کا مجاز ہوسکتا ہے جو دوسرے ملک کے مفاد کے خلاف ہوں''

۱۹۵۴ء، International Law Association کی ایک کانفرنس Edinborough میں منعقد ہوئی جس میں بین الاقوامی دریاؤں کے پانی کے استعمال کے بارے میں قوانین وضع ہوئے اس ایسوسی ایشن کی ایک میٹنگ (یوگوسلاویہ) Dobrovink میں ۱۹۵۶ء میں منعقد ہوئی۔اس میں پانی کے استعمال کے بارے میں چند اصول وضع کیے ان میں سے دو اہم شقوں کا پاکستان اور بھارت کے پانی کے تنازع پر اطلاق ہوتا ہے۔

۱۔ ہر ملک اپنی حدود میں بہنے والے بین الاقوامی دریاؤں پر حتمی اختیار کا مالک ہوتا ہے اس ملک کا اپنا یہ اختیار اس پانی کے حقدار دوسرے ملک پر پڑنے والے اثرات کو مدنظر رکھ کر کرنا چاہیے۔

۲۔ ایک ملک جوئی تجویز پیش کرتا ہے یا پانی کے پہلے سے موجود استعمال میں ایسی تبدیلی کرتا ہے جو دوسرے ملک کے پانی کے استعمال پر اثر انداز ہوسکتی ہوا سے لازماً سب سے پہلے اس ملک سے رابطہ کرنا چاہیے اگر اس قسم کے رابطے سے کوئی معاہدہ نہیں ہو پاتا تو متعلقہ ملک کو ٹیکنیکل کمیشن سے ہدایت لینی ہوگی اور اگر پھر بھی کوئی معاہدہ طے نہیں ہوسکتا تو ثالثی سے کام لینا ہوگا۔ (۴)

مندرجہ بالا قوانین سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ بھارت کو ہندوستان سے آنے والے تین دریاؤں کے پانیوں سے پاکستانی نہروں کو ملنے والا پانی چھیننے کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ پاکستان نے جب بھی اس معاملے کو بین الاقوامی عدالت انصاف یا غیر جانبدار ثالثی کے ذریعے حل کرانے کی کوشش کی بھارت نے پورے شدومد سے اس کی مخالفت کی۔حتیٰ کہ ۱۹۵۶ء میں پاکستان نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پانی کے وسائل کے استعمال اور نشوونما کے بارے میں بین والاقوامی قانون سازی کے بارے میں قرارداد پیش کی مگر بھارت نے اپنی کمزور پوزیشن کے باعث لابنگ کرکے دیگر مما لک کو اس معاملے میں الجھنے سے باز رہنے پر راضی کرلیا جس کی وجہ سے جنرل اسمبلی نے اس معاملے پر کسی قسم کے قانون بنانے سے معذوری ظاہر کردی۔

پاک بھارت تنازعے میں بین الاقوامی ثالثی مداخلت

پاکستان و بھارت کے جھگڑے کی صدائے بازگشت امریکہ تک پہنچی۔امریکہ نے اپنے ایک انجینئر ڈیوڈ ای للّی انتھال کو اس مسئلے کی تحقیق کی ذمہ داری سونپی اِنہوں نے ۵ فروری ۱۹۵۱ء کو اس مسئلے کا مطالعہ کرنے کی غرض سے پاکستان و بھارت کا دورہ کیا اور اِس مسئلے کے حل کے لئے کچھ تجاویز پیش کیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ ابتداء پانی سے محرومی اور ریگستان میں تبدیل ہوجانے کے پاکستانی خدشات کو رفع کرنے سے ہونی چاہیے۔اس بین الاقوامی دریائی طاس کے پانی کو انجینئرنگ کی بنیادوں پر مشترکہ طور پر استعمال کرنے کے لیے کام ہو۔

۲۔ سندھ طاس کا زیادہ تر پانی بغیر استعمال کے سمندر کی نظر ہوجاتا ہے۔اگر اس کے بڑے حصے کو استعمال میں لایا جائے تو یہ پاکستان و بھارت دونوں کی ضروریات سے زیادہ ہے۔

۳۔ ورلڈ بنک کی وساطت سے مشترکہ سرمایہ کاری اور انڈس انجینئرنگ کارپوریشن کے زیرنگرانی ہندوستان و پاکستان اور ورلڈ بنک کے ماہرین کی نمائندگی میں مناسب جگہوں پر ڈیم تعمیر کرکے پانی کا رخ پھیرنے اور تقسیم کرنے کا عملی منصوبہ تیار کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ ان کاموں کی نگرانی ایک ہندو پاک یا کوئی بین الاقوامی ایجنسی کامیابی سے کر سکتی ہے ان تجاویز کے ساتھ ہی پاکستان کی آواز مزید کمزور اور ورلڈ بنک کے کردار کا آغاز ہو گیا۔(۵)

ورلڈ بینک کی شمولیت

Lilienthal کے مضمون کی ایک نقل ورلڈ بینک کو بھی بھیجی گئی اور بینک کے صدر Eugene Black کی توجہ اس جانب مبذول کرائی گئی چنانچہ ستمبر۱۹۵۱ء میں انہوں نے پاک بھارت وزراعظم کے نام خطوط ارسال کیے جس میں Lilienthal کی تجاویز کی روشنی میں پانی کے جھگڑے کو حل کرنے کے لیے ورلڈ بینک کی ثالثی کی خواہش کا اظہار کیا گیا۔ دونوں ممالک نے اپنی رضامندی کچھ شرائط کے ساتھ ظاہر کی چنانچہ Black نے پانی کے جھگڑے کے حل کے سلسلے میں پیش رفت کرتے ہوئے کچھ تجاویز دونوں ممالک کو ارسال کیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ انتظامی کمیٹی کی ذمہ داری ایک ایسے منصوبے کی تیاری اور ایسے اقدامات اٹھانا ہے جس کے ذریعے پانی کی مقدار میں اضافہ ہو۔

۲۔ آئندہ دونوں فریق کسی بھی معاہدے کو ختم کرنے کے لیے آزاد ہونگے اور قانونی حقوق بالکل متاثر نہیں ہونگے لیکن بینک کی شمولیت سے مشترکہ کام جاری رہے گا اور پانی کی موجودہ مقدار میں کمی نہیں کرے گا۔(۶)

ان تجاویز میں مشرقی دریاؤں کا کوئی ذکر نہیں تھا لہٰذا بھارت نے نہ صرف انہیں قبول کیا بلکہ مشرقی دریاؤں پر مشکوک ہو جانے والے حقوق کی بناء پر ان دریاؤں سے آہستہ آہستہ پانی کی مقدار میں کمی کرنی شروع کر دی جو ۱۹۵۳ء فروری میں صرف ۸٪ فیصد رہ گئی اس سال مغربی پنجاب کی فصل سوکھ گئی اور قحط سالی ہو گئی جبکہ مشرقی پنجاب میں گندم کی بہترین فصل ہوئی جس کی وجہ پاکستان کے حصہ کا پانی تھا۔ پاکستان نے اس کی شکایت ۱۹۵۳ء میں ہی ورلڈ بینک کے صدر سے کی مگر بھارت نے ورلڈ بینک کے صدر کی تمام کوششوں کو رد کر دیا اور باقاعدہ غصب شدہ پانی کے لیے بھاکڑا نہر کا افتتاح کیا۔

انڈس بیسن ورکنگ پارٹی

ورلڈ بینک نے ۱۳؍مارچ ۱۹۵۲ء کے مراسلات کی روشنی میں ورلڈ بینک کی جانب سے جنرل رے مانڈ (Raymond Wheeler) کی رہنمائی کے ساتھ ایک پارٹی بنام Indus Basin Working Party بنائی جس میں پاکستانی وفد کی قیادت ایم اے حمید اور بھارتی وفد کی قیادت اے این کھوسہ نے کی یہ دونوں بہت ہی مانے ہوئے انجینئر تھے۔ دونوں ممالک کے نمائندوں نے تمام عوامل کا مکمل جائزہ لے کر مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں۔(۷)

پاکستان کی تجاویز

۱۔ بھارت مشرقی دریاؤں کا صرف ۳۰٪ پانی لے گا اور مغربی دریاؤں کے پانی میں اسکا کوئی حصہ نہیں۔
۲۔ پاکستان مشرقی دریاؤں کا ۷۰٪ پانی لے گا اور مغربی دریاؤں کا سارا پانی اس کے تصرف میں ہوگا۔

بھارت کی تجاویز

۱۔ بھارت مشرقی دریاؤں کے سارے پانی کے علاوہ ۷٪ مغربی دریاؤں کا پانی بھی لے گا۔
۲۔ پاکستان کا مشرقی دریاؤں کے پانی پر کوئی حق نہیں اور وہ مغربی دریاؤں کے ۹۳٪ پانی استعمال کرنے کا حقدار ہوگا۔

ورلڈ بینک کی تجاویز

۱۔ مغربی دریاؤں کا سارا پانی ماسوائے قلیل مقدار دریائے جہلم کے پانی کی جو کشمیر میں استعمال ہوتا ہے پاکستان کا حصہ ہوگا۔
۲۔ مشرقی دریاؤں کا سارا پانی بھارت کا حصہ ہوگا۔

یہ تجاویز پاکستان کے موقف کے خلاف اور بھارت کے حق میں تھیں یہ تجاویز Lilienthal کی تجاویز سے بھی مختلف تھیں۔ بھارت نے اسے فوراً قبول کرلیا جبکہ پاکستان میں شدید مایوسی پھیل گئی مگر ورلڈ بینک اپنے موقف پر ڈٹا رہا مذاکرات ہوتے رہے مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اسی دوران پاکستانی مذاکراتی کمیٹی کے سربراہ کو بدل کر ایک بیوروکریٹ جی معین الدین کو سربراہ بنادیا گیا تھا جس سے پاکستان کی تکنیکی حیثیت مزید کمزور ہوگئی۔ اسی دوران پاکستان میں ۷/اکتوبر ۱۹۵۸ء کو مارشل لاء نافذ کردیا اور فیلڈ مارشل ایوب خان نے عنان حکومت سنبھال لیا۔ ان کے آتے ہی پاکستان کے حکمتِ عملی یکدم تبدیل ہوگئی۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۸ء کو پاکستان کے نمائندے معین الدین نے ورلڈ بینک کے صدر کے نام مراسلے میں فروری ۱۹۵۴ء کی بینک کی تجاویز کو من وعن تسلیم کرنے کا عندیہ دیا۔ غرض پاکستان نے محمد ایوب خان کے آنے کے بعد ورلڈ بینک کی سابقہ تجاویز غیر مشروط طور پر قبول کرلیں اور اسے اختیار دے دیا کہ وہ اس کے ذریعے پاکستان و بھارت میں پانی کے جھگڑے کا معاہدہ کرادے۔

سندھ طاس معاہدہ (Indus Water Treaty)

فیلڈ مارشل ایوب خان نے حالات کا جائزہ فوجی نقطۂ نظر سے لیا اور کہا کہ بھارت کی عسکری قوت پاکستان سے تین گنا ہے۔ اور وہ لڑکر اپنا غصب کیا ہوا پانی بھارت سے نہیں لے سکتے۔ ورلڈ بینک کی تجویز بہترین حل نہیں لیکن قابلِ قبول ہے اسے منظور کرلینا چاہیے۔(۸)

اس کے بعد سندھ طاس معاہدے کی ساری منازل جلد طے ہوگئیں ایک سال کے عرصے میں سندھ طاس کا منصوبہ دوڈیموں، پانچ ہیڈورکس اور آٹھ رابطہ نہروں (لمبائی ۴۰۰ میل) پر مشتمل تھا۔ اتنے بڑے منصوبے پر اخراجات کا تخمینہ تقریباً ۹۰۰ ملین ڈالر تھا۔ اتنی بڑی رقم کا مہیا کرنا پاکستان کی دسترس سے باہر تھا۔ ورلڈ بینک کے صدر نے اپنی حسن کارکردگی سے دوست ممالک کی مدد سے مطلوبہ رقم کا بندوبست کیا۔ دوست ممالک آسٹریلیا، کینیڈا، مغربی جرمنی، نیوزی لینڈ، برطانیہ اور امریکہ کا

نذرانہ ۶۴۰ ملین ڈالر

پاکستان کا کشکول ۸۲ ملین ڈالر

بھارت کی ادا کردہ رقم ۱۷۴ ملین ڈالر

اس طرح پاکستان نے صرف ۱۷۴ ملین ڈالر میں تین مشرقی دریاؤں میں سے ۱۶ ملین ایکٹرفٹ اپنے حصے کا پانی بھارت کو بیچ دیا۔ ۱۹ رستمبر ۱۹۶۰ء کو کراچی میں سندھ طاس کے معاہدے پر پنڈت جواہر لال نہرو اور محمد ایوب خان نے دستخط کر دیئے۔ ۱۹۶۲ء میں اس پر عمل درآمد شروع ہوگیا۔ دس سال کے قلیل عرصے میں دو ڈیم، ۵ ہیڈورکس، ایک سائفن اور ۴۰۰ میل لمبی رابطہ نہریں سب مراحل طے کرکے خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل کو پہنچ گئے۔ اس عرصے میں بھارت بادل ناخواستہ پاکستان کی نہروں کو پانی دیتا رہا۔ اس کے بعد پانی کا یہ سرچشمہ، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

جنرل ایوب خان نے معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد گفتگو کرتے ہوئے کہا:

''کئی سالوں کی پیچیدہ گفت وشنید، حوصلہ شکن تاخیر اور بار بار کے تعطل کے بعد ہم ایک حل پر پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ جس حل پر اب ہم پہنچے ہیں وہ کوئی بہت زیادہ شاندار حل نہیں ہے۔ جب گفت وشنید ہورہی ہوتو شاندار حل شاذ ہی نصیب ہوتے ہیں لیکن موجودہ حالات میں، ہمارے استحقاق اور قانونی حیثیت سے قطع نظر، زیادہ تر ہمارے خلاف تھے ہم اس سے بہترین حل شاید ہی حاصل کر سکتے تھے'' (۹)

بھارت کے وزیراعظم جواہر لال نہرو نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا:

''یہ حقیقتاً ایک منفرد موقع اور یادگار دن ہے، یہ کئی ایک پہلوؤں سے یادگار دن ہے۔ اس حقیقت کے طور پر یادگار دن ہے کہ وہ گمبھیر اور پیچیدہ مسائل جنہوں نے ہندوستان اور پاکستان کو کئی سالوں سے پریشان کر رکھا تھا تسلی بخش طور حل ہوگئے ہیں۔ یہ اس لیے بھی یادگار ہے کہ یہ نہ صرف ان دو ملکوں کی جو براہ راست متاثر تھے بلکہ دوسرے ممالک اور خاص طور پر عالمی بینک کی بھی باہمی جدوجہد کی ایک شاندار مثال ہے۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے۔ ہم سب اپنے آپ کو مبارکباد دینے کی مستحق ہیں۔'' (۱۰)

ورلڈ بینک کے تاثرات

ورلڈ بینک کے نائب صدر رالیف (W.A.B ALPH) نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا:

''یہ معاہدہ سندھ کے عظیم دریائی نظام کی آبپاشی اور ہائیڈرو الیکٹرک کی وسیع صلاحیت کو پر امن اور منظم طریقے سے ترقی دینے کے لیے سازگار حالات پیدا کرنے کا باعث بنے گا لیکن سب سے بڑھ کر یہ پاکستان اور ہندوستان کے اُن عوام اور خاص طور پر زراعت کاروں کے لیے جو خشک اور بنجر کھیتوں میں محنت کر رہے ہیں بہت اہم دن ثابت ہوگا، کیونکہ اب وہ اس پانی کو ایک منظم اور باقائدہ طریقے سے استعمال کر سکتے ہیں جو قدرت نے اِنہیں عطا کیا ہوا ہے''۔(۱۱)

سندھ طاس معاہدے کے فوائد اور نقصانات

سندھ معاہدے کے فوائد اور نقصانات مندرجہ ذیل ہیں:

فوائد:

۱۔ بھارت کے ساتھ سندھ طاس معاہدہ کرنے کا پاکستان کو جو سب سے بڑا فائدہ ہوا وہ یہ تھا کہ بھارت کے ساتھ پانی کے معاملے میں آئے دن کی تلخی سے نجات ملی لیکن بھارت نے اس معاہدے پر کبھی بھی نیک نیتی سے عمل نہیں کیا اس لیے یہ فائدہ صرف کاغذی اندراج تک ہی ٹھیک ہے۔

۲۔ پاکستان کو سندھ طاس معاہدے کا دوسرا جو سب سے بڑا فائدہ ہوا وہ یہ تھا کہ اس منصوبے کے تحت مندرجہ منصوبے عمل میں لائے گئے۔

☆ منگلا ڈیم

☆ تربیلا ڈیم

☆ دریائے چناب پر مرالہ ہیڈ ورکس

☆ دریائے راوی پر سندھنائی ہیڈ ورکس

☆ دریائے راوی پر بلو کی ہیڈ ورکس کی نئے طریقے سے تشکیل

☆ دریائے چناب پر قادر آباد ہیڈ ورکس

☆ دریائے جہلم پر رسول ہیڈ ورکس

☆ میلسی سائفن

☆ دو ہزار پانچ ٹیوب ویلوں کی تنصیب

☆ ۴۰۰ میل لمبی رابط نہریں بھی تعمیر کی گئیں۔

۳۔ مندرجہ بالا منصوبوں کی تعمیر پر پاکستانیوں کے لیے نوکری کے وسیع مواقع کھل گئے۔صرف منگلا ڈیم پر ایک وقت میں تقریباً پندرہ ہزار فنی اور غیر فنی لوگ کام کررہے تھے۔ دوسو انجینئروں کی تعداد اِس کے علاوہ تھی۔

۴۔ چوتھا بڑا فائدہ منگلا،تربیلا ڈیم اور چشمہ بیراج سے پن بجلی کا حصول ہے منگلا پر پن بجلی کی استعداد ۱۶ ر میگا واٹ اور تربیلا پر ۲۴ میگا واٹ ہے۔(۱۲)

۵۔ تربیلا ڈیم کا اضافی فائدہ یہ ہوا کہ اس ڈیم سے ۷ کلومیٹر نیچے غازی کے مقام پر ہیڈ ورکس بنا کر ایک بہت بڑی نہر نِکالی گئی۔اس نہر کا پانی بروتھا کے مقام پر گرا کر ۱۴۵۰ ر میگا واٹ بجلی پیدا کی گئی۔(۱۳)

۶۔ سندھ طاس معاہدے کا ایک اور فائدہ جو پاکستان کو ہوا وہ ٹیوب ویلوں کی تنصیب تھی۔یہ ٹیوب ویل سیم زدہ علاقوں میں لگائے گئے جس کے بعد وہاں زیر زمین پانی کی سطح پندرہ سے بیس فٹ نیچے ہوگئی اور زمینیں دوبارہ قابل کاشت ہوگئیں۔(۱۴)

نقصانات

۱۔ مادھو پور اور فیروز پور ہیڈ ورکس سے سیراب ہونے والی نہروں کے درمیان کا تقریباً ۷۰ ہزار ایکٹر رقبہ پانی کی بندش کے بعد مکمل طور پر اجڑ گیا۔

۲۔ ڈیموں، ہیڈ ورکس اور رابطہ نہروں کے نیچے جو زرعی رقبہ آیا وہ کاشت سے محروم ہوگیا یہ رقبہ تقریباً دولاکھ ساٹھ ہزار ایکٹر زرعی زمین تھی۔ یہ ایک بہت بڑا نقصان تھا جس کی اصولاً بھارت کو تلافی کرنی چاہیے تھی۔ اس کے علاوہ پاکستان کو تقریباً ۴ ملین من سالانہ گندم کی پیداوار کی کمی برداشت کرنا پڑی۔

۳۔ منگلا،تربیلا اور رابطہ نہروں کی دیکھ بھال اور چلانے کے لیے کروڑوں روپے درکار ہوتے ہیں۔ یہ سارا خرچ پاکستان کی معیشت پر بہت بڑا بوجھ ہیں اصولاً یہ سارا خرچ یا اس کا کچھ حصہ ہمیشہ بھارت کو ادا کرنا چاہیے تھا مگر وہ ایک بار ۶۲ ملین پونڈ ادا کر کے اس بوجھ سے اپنی جان ہمیشہ کیلئے چھڑا گیا۔

۴۔ منگلا اور تربیلا کی جھیلوں میں ہر سال بھل آرہی ہے جس سے ان میں پانی جمع کرنے کی استعداد میں بتدریج کمی ہوتی جارہی ہے۔

۵۔ اس معاہدے سے پاکستان کو جو سب سے بڑا نقصان ہوا وہ ان دریاؤں اور آس پاس کے علاقے کا خشک ہونا تھا مشرقی دریاؤں کے کنارے آباد شہروں مثلاً لاہور، بھاولپور میں پانی کی فراہمی کے مسائل کھڑے ہوگئے۔ان خشک دریاؤں کی لمبائی تقریباً ہزار گز میل ہے۔(۱۵)

اگر یہ معاہدہ ہندوستان کے لیے اس طرح سے وضع کیا جاتا اور بھارت اس طرح کے نقصانات سے گزرتا تو وہ پاکستان کو کبھی معاف نہ کرتا اور اُس سے ایک ایک روپیہ وصول کرتا۔

بھارت کی سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزیاں

سندھ طاس معاہدہ کے مطابق بھارت کو تین دریا دینے کے بعد پاکستان کے اربابِ اختیار کا خیال تھا کہ وہ اب سکھ کا سانس لے سکیں گے اور بھارت پاکستان کے حصے کے تین دریاؤں (چناب، جہلم اور سندھ) پر اپنے کوئی منصوبے بنائے گا۔لیکن پاکستان کی یہ امید موہوم ثابت ہوئی۔ بھارت نے معاہدے کی مندرجہ ذیل خلاف ورزیاں کیں۔

۱۔ سلال ہائیڈل پروجیکٹ(Salal Hydel Project)

یہ منصوبہ بھارت نے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں دریائے چناب پر شروع کیا یہ ۱۹۹۶ء میں مکمل ہوا۔اس سے ۶۹۰ میگاواٹ بجلی پیدا کی جاسکتی ہے اس کی جھیل میں ذخیرہ اندوزی کی اتنی گنجائش رکھی گئی اگر سردیوں میں اس میں ذخیرہ اندوزی کی جائے تو مرالہ کے مقام پر ۲۵۔۲۶ دن کے لیے دریائے چناب کو بالکل خشک کیا جاسکتا تھا۔ پاکستان نے اس کے قابل اعتراض پہلوؤں پر اعتراض کیا اور کئی مذاکرات کے بعد ایک غیر ضروری معاہدہ پھر سے کیا گیا۔

۲۔ بگلیہار پاور پروجیکٹ(Baglihar Power Project)

یہ منصوبہ بھی دریائے چناب پر مقبوضہ کشمیر کے مقام پر ہے۔ یہ ڈیم شروع کرنے سے پہلے بھارت کے ۱۹۹۲ء میں سندھ طاس معاہدے کے مطابق تعمیر سے پہلے اس منصوبے کی فنی تفصیلات سے آگاہ کردیا۔ پاکستان نے ڈیزائن پر اعتراضات اٹھائے اور اُن سے بھارت کو آگاہ کیا۔ بھارت نے پاکستان کے اعتراضات کو رد کرکے پروجیکٹ کو شروع کردیا اور پاکستان کا احتجاج بھی مسترد کردیا۔ بھارت نے یہ ثابت کیا کہ وہ طاقت کے بل بوتے پر پاکستان کے قانونی اور اخلاقی طور پر جائز مطالبات بھی رد کرسکتا ہے۔ بھارت کی شاطرانہ سیاست کھل کر یہاں نظر آتی ہے کہ ۱۲رسال تک اس نے مذاکرات کا ڈرامہ رچائے رکھا یہاں تک کہ جنوری ۲۰۰۵ء کو منصوبہ مکمل ہوگیا۔جس کے بعد اب پاکستان، ہندوستان کا اِس معاملے پر کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

۳۔ ساول کوٹ پاکل ڈولینڈ برسر ہائڈر پروجیکٹ(Sawalkot Pakal Doland Bursar Hyder Project)

یہ دو منصوبے بھی دریائے چناب پر واقع ہیں۔ان دونوں منصوبوں کے بارے میں بھارتی انجینئر سروے اور تفتیشی عمل میں مصروف ہیں۔ان منصوبوں کے بارے میں معلومات بھارتی اخبارات سے ملی کیونکہ بھارت نے ان کے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی۔

۴۔ وولر بیراج اسٹوریج پروجیکٹ(Wollar Barrage Storage Project)

سرینگر کے پاس وولر ایک قدرتی جھیل ہے اور اس کا پانی تقریباً سو مربع میل پر محیط ہے۔دریائے جہلم کا پانی اس جھیل میں ایک سرے سے داخل ہوکر پھیل جاتا ہے اور دوسرے سرے سے ایک تنگ آبنائے سے گزر کر دریا کی شکل اختیار کرتا ہے اس آبنائے کو دیکھ کر اکثر انجینئر کے ذہن میں یہاں بلندی پر ایک ڈیم بنا کر بنی بنائی قدرتی جھیل میں مزید پانی جمع

کرنے کا خیال آتا ہے۔ایسے ہی ایک پروجیکٹ کی منصوبہ بندی ۱۹۳۷ء میں کی گئی مگر مہاراجہ کشمیر نے اس کی منظوری نہ دی۔وولر آبنائے پر ۱۹۸۵ء میں بھارت نے خفیہ طور پر ایک بیراج کا منصوبہ بنایا اور اس پر کشتی رانی کے پراجیکٹ کا لبادہ اوڑھا دیا۔اخبارات کے ذریعے سندھ طاس معاہدے کی کھلی خلاف ورزی منظر عام پر آ گئی۔دریائے جہلم پر ایسے کسی بھی منصوبے کا بھارت کو کوئی حق حاصل نہیں تھا کیونکہ اس میں ذخیرہ اندوزی کی صورت میں نہ صرف منگلا ڈیم کی بجلی پیدا کرنے کی استعداد میں کمی واقع ہو سکتی تھی بلکہ سردیوں میں زخیرہ اندوزی کی صورت میں پاکستان کی لاکھوں ایکٹر گندم کی فصل کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ان وجوہ کی بناء پر پاکستان نے شدید احتجاج کیا۔بھارت تعمیر کا کام شروع کر چکا تھا۔اس صریح خلاف ورزی کی نشان دہی پر بھارت نے عارضی طور پر کام بند کر دیا لیکن منصوبے کو ختم نہیں کیا کام بند کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کے تحریک آزادی کشمیر کے حریت پسندوں نے کچھ تعمیر شدہ حصہ بم سے اُڑا دیا تھا ابھی تک بھارت سے اس سلسلے میں میٹنگز ہو رہی ہے جس سے کچھ حاصل نہیں ہو سکا۔

۵۔ کشن گنگا اسٹوریج کم ہائیڈل پروجیکٹ(Kishanganga Storage Cum Hydel Project)

یہ منصوبہ مندرجہ ذیل اجزاء مشتمل ہے:

۱۔ دریائے کشن گنگا کنزالوں کے مقام پر ایک ڈیم بنا کر ایک جھیل میں پانی جمع کرنے کا منصوبہ ہے جس کی ذخیرہ اندوزی کی استعداد ۱۴۰,۰۰۰/۱ ایکٹر فٹ ہوگی۔مذکورہ مقام مظفر آباد سے تقریباً ۲۱۰ کلومیٹر پر ہے اور اس کا فاصلہ کنٹرول لائن سے صرف دس کلومیٹر ہے۔اس طرح کشن گنگا مقبوضہ کشمیر کی طرف سے کنٹرول لائن پار کرنے کے بعد آزاد کشمیر کی حدود میں مظفر آباد کے پاس دریائے جہلم میں شامل ہونے تک تقریباً ۲۰۰ کلومیٹر بہتا ہے۔

جھیل کا پانی ایک ۲۸ کلومیٹر لمبی سرنگ کے ذریعے دریائے جہلم کے ایک نالے مدھوتی میں وولر جھیل سے کچھ اوپر بندی پوری کے مقام پر ڈالا جائے گا۔

۲۔ مدھ متی کے مقام ہر پانی تقریباً ۲۰۰۰ فٹ کی آبشار بنا کر گرے گا یہاں پر بجلی گھر بنا کر ۳۳۰ میگاواٹ بجلی پیدا کی جا سکے گی۔

بھارت نے مندرجہ بالا منصوبے کی اطلاع پاکستان کو ۱۹۹۴ء کو دی تھی پاکستان نے اس منصوبے پر ایک احتجاجی مراسلہ لکھا۔سندھ طاس معاہدے کے مطابق بھارت نہ تو مغربی دریاؤں یا ان کے معاونوں پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کر سکتا ہے اور نہ ایک نالے کا پانی دوسرے نالے میں ڈال کر استعمال کر سکتا ہے۔معاہدے کی خلاف ورزی کے علاوہ یہ منصوبہ پاکستان کے لیے مندرجہ ذیل نقصانات کا باعث ہوگا۔

۱۔ دریائے کشن گنگا آزاد کشمیر میں ۲۰۰ کلومیٹر کے کچھ حصے میں بالکل خشک ہو جائے گا۔اس حصے میں مچھلی کی پیداوار ختم ہو جائے گی اور ماحولیات پر برا اثر پڑے گا۔

۲۔ پاکستان نے دریائے نیلم پر نوسہری کے مقام پر ۹۶۳ میگاواٹ پن بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ بھارت کا منصوبہ پاکستانی منصوبے پر اثر انداز ہوگا۔

پاکستان کے احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے بھارت نے اپنے منصوبے پر کام کا آغاز کردیا۔ اس سلسلے میں کئی لاحاصل مجالس ہوچکیں ہیں۔ بھارت نے پاکستان کو معائنے تک کی اجازت نہیں دی۔ غالبًا اس کا حشر بھی وہ بگلیہار ڈیم جیسا کرنا چاہتا ہے۔

بھارت کے غیر قانونی منصوبے

حقیقت یہ ہے کہ بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں غیر قانونی منصوبے بنائے گئے ہیں۔ بھارت طاقت کی بنیاد پر پاکستان کے قانونی احتجاج کو رَد کرتا چلا آرہا ہے اسے معلوم ہے کہ پاکستان لڑکر اپنا حق نہیں لے سکتا کیونکہ اس نے ۱۹۶۰ء میں دوسرے درجے کا حل قبول کرلیا تھا۔ بھارت اقوام متحدہ میں کشمیر میں رائے شماری کرانے کا وعدہ کرنے کے باوجود اسے اٹوٹ انگ کہتا ہے تو مقبوضہ کشمیر میں سندھ طاس معاہدے کے خلاف بنائے گئے منصوبوں کو اٹوٹ انگ کیوں نہیں کہہ سکتا۔ خاص کر جب اس نے مقبوضہ کشمیر میں بے حساب سرمایہ کاری کرلی ہے اس فلاسفی پر بھارت کا ایمان ہے اور وہ اس کو عملی جامہ پہنا رہا ہے۔ پاکستان مذکورہ پانی کے تنازعات پر اگر اپنے حق میں فیصلہ کرانے میں کامیاب ہوبھی جائے تو بھارت ان کو طول دے سکتا ہے۔ کیونکہ سندھ طاس معاہدے کے مطابق ان تنازعات کے تصفیے کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں۔

مغربی دریاؤں کا پانی غصب کرنے کا نیا بھارتی جال

بھارت نے مغربی دریاؤں خصوصاً دریائے چناب اور جہلم کا مزید پانی ہتھیانے کے لیے ایک نیا شوشہ چھوڑا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ دریائے سندھ کا ۳۵ ملین ایکٹر پانی سمندر میں گر کر ضائع ہورہا ہے۔ بھارت نے ضائع ہونے والے اس پانی کے استعمال کی اجازت مانگی ہے۔ بھارت فی الحال دریائے سندھ کے پانی کو استعمال تو نہیں کرسکتا لیکن دریائے جہلم اور دریائے چناب جو مقبوضہ کشمیر سے گزر کر پاکستان میں داخل ہوتے ہیں اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہ پاکستان پر الزام لگا کر ان دو دریاؤں کی پانی کی ذخیرہ اندوزی شروع کرسکتا ہے۔

سندھ طاس معاہدے کے تحت بھارت کو دریائے جہلم اور دریائے چناب کے پانی سے بجلی پیدا کرنے کی اجازت دی گئی تھی اس شرط پر کہ پاکستان کو ملنے والے پانی کا بہاؤ اور اس کے اوقات کار متاثر نہیں ہونگے اگر پاکستان و بھارت کے تعلقات خوشگوار ہوتے تو شائد حالات خراب نہ ہوتے مگر اب صورتحال یہ ہے کہ بھارت مختلف بہانوں کے ذریعے دریائے چناب اور دریائے جہلم کو خشک کرکے ہی دم لینا چاہتا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان اس سارے معاملے کو انتہائی سنجیدگی سے لے اور بھارت کی پاکستان کو خشک کرنے کی اس پالیسی کا سندھ طاس معاہدے کی طرح حشر نہ ہونے دے۔

پاکستان میں پانی کا بحران اور اس کا حل

پاکستان کے مغربی دریاؤں کی پانی کی بہاؤ کی سالانہ اوسط مقدار ۱۷۷ء ملین ایکٹر فٹ ہے۔ ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو استعمال ہونے والا پانی ۶۴ ملین ایکٹر تھا، ۲۰۰۲ء میں یہ مقدار ۱۴۴ ملین ایکٹر فٹ ہوگئی۔ ۳۵ ملین ایکٹر فٹ پانی سمندر میں گرا کر ضائع کر رہا ہے۔ اس کا کیا سد باب ہوسکتا ہے۔(۱۶)

نئے ڈیموں کی تعمیر وقت کی اہم ضرورت

پاکستان اپنے دریاؤں کا پانی صرف ایک ہی صورت میں بھارت کی پہنچ سے بچا سکتا ہے کہ ہم اپنے دریاؤں پر نئے ڈیموں کی تعمیر جلد از جلد شروع کریں اسی صورت میں نہ صرف ۳۵ ملین ایکٹر فٹ پانی سمندر میں ضائع ہونے سے بچ سکتا ہے بلکہ یہ پاکستان کو بجلی کی لوڈ شیڈنگ سے بھی ہمیشہ کے لیے بچا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ ڈیموں کی تعمیر کے منصوبے مختلف وجوہات کی بناء پر زیر التواء ہیں ان میں سب سے اہم مسئلہ کالا باغ ڈیم کا ہے۔

کالا باغ ڈیم (متنازع)

کالا باغ ڈیم دریائے سندھ پر کالا باغ کے مقام پر بننے والا ایک ڈیم تھا جس کا منصوبہ ۱۹۸۳ء میں پیش کیا گیا۔ اس کے سارے مراحل، سروے، تفتیش، قابل قبول ہیں اور ۱۰۰ ارکروڑ کی لاگت سے اِسکی تعمیری کالونی بھی مکمل ہوچکی ہے. یہ منصوبہ جس کے ذریعے نہ صرف پانی کی پوری کمی دور کی جاسکتی ہے بلکہ اتنی بجلی بھی پیدا کی جاسکتی ہے کہ پاکستان میں اس کی تعمیر کے بعد کبھی لوڈ شیڈنگ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ لیکن یہ منصوبہ اب تک صوبائی غیر ہم آہنگی کا شکار ہے چاروں صوبوں میں صرف پنجاب اس کا حامی ہے جبکہ بقیہ تمام صوبے اس کی تعمیر کے خلاف ہیں کیونکہ یہ ڈیم خیبر پختون خواہ میں تعمیر ہونا ہے لہٰذا اس کا اعتراض یہ ہے کہ اس سے ان کی شہر مرادن اور نوشہرہ ڈوب جائیں گے جبکہ سندھ کے خیال میں سندھ ریگستان میں تبدیل ہوجائے گا۔ اس بے اعتباری کا نتیجہ یہ ہے کہ بھارت نے ضائع ہونے والے پانی کے استعمال کی اجازت مانگ لی ہے اور کالا باغ ڈیم کی تعمیر نہ ہونے کے سلسلے میں ہمارا مذاق اُڑایا جارہا ہے۔ آخر کب تک ہم اس طرح دوسروں کو اپنی نا اتفاقی سے فائدہ اٹھانے دیتے رہے گے۔ بھارت نے آج بگلیہار، وولر، کشن گنگا جیسے منصوبے شروع کر رکھے ہیں اور ان کی تکمیل کے بعد شائد پاکستان کے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ بھی نہ رہے گا۔

ارباب اقتدار کی عاقبت نا اندیشی

پاکستان اس وقت ہندوستان کی غاصبانہ اور پاکستانی ارباب اقتدار کی عاقبت نا اندیشانہ پالیسیوں کی وجہ سے پانی کے شدید بحران کا شکار ہے۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک بھارت نے ایسا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا جس کے ذریعے وہ پاکستان کو کمزور کرسکتا تھا اس میں جنگیں، بین الاقوامی سازشیں اور دریاؤں کے پانی کو روکنے اور پاکستان کو بنجر

کرنے کی سازشیں شامل ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ سندھ طاس معاہدہ ایک یک طرفہ معاہدہ تھا۔جس کو پاکستان نے باحالت مجبوری قبول کیا۔مگر پاکستان کواس سے پہلے ایک موقع ملا تھا جب بھارت ایک اچھے قابل عمل حل پر راضی ہو رہا تھا مگر اس وقت کے وزیراعظم چوہدری محمد علی نے اُسے ماننے میں پس وپیش کیا اور بعد میں بھارت نے کبھی کسی ایسے حل پر اپنی رضا مندی نہیں دی جو کسی بھی لحاظ سے پاکستان کے حق میں خوش آئند ہوتی۔

مزید برآں پاکستانی ارباب اقتدار اور سیاستدانوں کا رویہ بھی کچھ خاص دانشمندانہ نہیں رہا جنرل ایوب خان نے جنگ کے ڈر سے ایک کم درجے کا معاہدہ قبول کیا اور ٹھیک پانچ سال بعد ۱۹۶۵ء میں بھارت سے جنگ بھی لڑنی پڑی تو یہ جنگ اپنے جائز حق کے لیے بھی لڑی جا سکتی تھی۔یہی نہیں بلکہ ان کے بعد آنے والے حکمراں بھی کوئی خاص دانشمندانہ تاثر چھوڑنے میں ناکام رہے۔

۱۹۸۳ء سے آج تک آپس میں نا اتفاقی اور بے اعتباری کا یہ عالم ہے کہ کوئی صوبہ دوسرے صوبے پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں۔سیاستدان کالا باغ ڈیم پر اپنی سیاست کی دوکان چمکا رہے ہیں اور معصوم اور مظلوم عوام کو بے وقوف بناتے جا رہے ہیں پاکستان کے سادہ عوام اب تک یہ بھی نہیں جان پائے ہیں کہ اس ایک ڈیم کی تعمیر سے ان کی کتنی مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں۔اس ڈیم کے لیے خریدی گئی مشینری وہاں سائٹ پر پڑی زنگ آلود ہو رہی ہے اس منصوبے کے لیے کچھ ملازمین رکھے گئے تھے جو بغیر کسی کام کے تنخواہ حاصل کر رہے ہیں۔تعمیرات کی قیمتوں میں چار گنا اضافہ ہو چکا ہے مگر یہ سیاستدان پاکستان کے غریب عوام کو بے وقوف بنانے سے باز نہیں آ رہے۔کبھی کبھی حکومت نے بھی کالا باغ ڈیم پر اتفاق رائے حاصل کرنے کی کوششیں کی ہیں۔مگر کامیابی نہ ہوئی صوبہ سندھ اور صوبہ خیبر پختونخواہ یہاں تک کہ صوبہ بلوچستان کی اسمبلیوں نے بھی کالا باغ ڈیم کے خلاف قرار دادیں اکثریت سے منظور کر دیں ہیں یعنی اب کالا باغ ڈیم خواب وخیال کی بات ہی بن کر رہ گیا ہے۔

متبادل ذرائع تلاش کرنے کی ضرورت

تجزیہ نگار اور تکنیکی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ اتنے بڑے منصوبے پر عمل درآمد کے بجائے کئی چھوٹے بند، بیراج اور زرعی وسائل کو محفوظ بنانے کے لیے تعمیر کیے جانے چاہیے۔اس سے نہ صرف دوسرے صوبوں کے تحفظات بھی دور ہوں گے بلکہ یہ آبی، ماحولیاتی اور زرعی وسائل کو محفوظ بنانے کیلئے بہترین طریقہ بھی ہے، جس کی واضح مثال پنجاب اور سندھ میں نہری نظام کی شکل میں موجود ہے۔حکومت پاکستان نے اس ضمن میں ایک تکنیکی کمیٹی اے این جی عباسی کی سربراہی میں تشکیل دی۔اس کمیٹی کا مقصد کالا باغ ڈیم کے منصوبے کی تکنیکی فوائد ونقصانات کا جائزہ لینا تھا اس کمیٹی نے چار جلدوں پر مشتمل اپنی رپورٹ میں واضح طور پر رائے دی کہ بھاشا ڈیم اور کٹنز رہ بند کی تعمیر پانی کے ذخائر کی حالت خراب ہونے سے پہلے تعمیر کیے جانے چاہیے۔یہ چھوٹے ڈیم اس وقت کے اہم ترین ضرورت ہیں۔

حرفِ آخر

سندھ طاس معاہدہ، اس کا پس منظر اور بعد کی پیش رفت سے یہ نتیجہ بآسانی آخذ کیا جاسکتا ہے کہ برطانوی سامراج درحقیقت قیام پاکستان کا سخت مخالف تھا۔ بادل ناخواستہ انہیں قیام پاکستان کو قبول کرنا پڑا لہٰذا انہوں نے ایسا کوئی عمل فروگذاشت نہیں رکھا جو پاکستان کو کمزور و لاغر کرسکتا تھا یہی وجہ ہے کہ سرحدوں کی تقسیم میں اس قدر دھاندلی کی گئی کہ عملاً پاکستان ہر معاملے میں بھارت کے ہاتھوں کسی بھی لمحے کھلونا بننے کو تیار رہے۔ سندھ طاس معاہدہ جہاں انگریز سامراج اور ہندو بنیئے کی ملی بھگت کا نتیجہ تھا وہیں اس میں کچھ کردار ارباب حکومت کا بھی تھا۔ یہ نااہل اور طالع آزما حکمراں اور سیاستدان ہر ہر مقام پر کھل کر آشکار ہوتے رہے ہیں اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ اسے صرف باہر کے دشمن سے ہی نہیں بلکہ اندر کے دوست نما دشمن سے بھی چوکنا رہنا ہے۔ بھارت نے اب تک پاکستان کو ختم کرنے کا خواب دیکھنا ترک نہیں کیا ہے۔ وہ اپنی پوری جانفشانی کے ساتھ اپنے مذموم عزائم پورے کرنے میں تندہی سے لگا ہوا ہے اس کے لیے وہ ہمہ وقت نئی نئی سازشیں تیار کرتا رہتا ہے۔ اب چاہے وہ جنگیں ہوں پانی کی بندش ہو، ناجائز ڈیموں یا بین الاقوامی سطح پر پاکستان کو بدنام کرنے کا موقع ملے بھارت کسی کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ پانی کا موجودہ بحران ہمارے لیئے لمحہ فکریہ ہے مگر اس میں بیرونی عوامل کے ساتھ ساتھ اندرونی خلفشار کا بھی بہت دخل ہے۔ نجانے کب تک ہم صوبائی سیاست کے جال میں جکڑے رہیں گے۔ پاکستان کے بغیر ان صوبوں کی کوئی حیثیت نہیں یہ بات اگر ابھی بھی سمجھ آجائے تو بہتر ہے ورنہ بعد میں پچھتانے کے سوا ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ جلد از جلد پانی ذخیرہ کرنے کے زیر التوا منصوبے مکمل اور نئے منصوبے شروع کیے جائیں۔ صوبوں کے عوام میں اس بات کا شعور اُجاگر کیا جائے کہ سیاستدان صرف اپنی دوکان چمکا رہے ہیں اور غریب عوام کے لیے ان کے دل میں کوئی ہمدردی نہیں تاکہ عوام خود یہ فیصلہ کرسکیں کہ ان کے حق میں کیا بہتر ہے؟ اگر کسی صوبے کو کسی منصوبے پر اعتراض ہے تو اس کو سنجیدگی سے حل کرنا چاہیے مثلاً اگر سندھ کا کالا باغ ڈیم پر اعتراض جائز ہے تو بنگلہ دیش کی مانند دریائے سندھ کے ڈیلٹا پر بند بنا کر ضائع ہونے والے پانی کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ اس طرح بھی ہندوستان کا منہ بند کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بلوچستان کو پانی کی اضافی مقدار فراہم کرکے ان کا مسئلہ حل کیا جاسکتا ہے۔ خیبر پختون خواہ کا مسئلہ جگہ کے ردوبدل کے ذریعے حل کیا جاسکتا ہے۔ ضرورت صرف نیک نیتی کی ہے اگر اب بھی ہم نہ جاگے تو پھر ہمیں اپنی بربادی کا گلہ دوسروں سے کرنے کے بجائے اپنے ہی ہاتھوں میں اپنا خون تلاش کرنا پڑے گا۔

مراجع وحواشی

(1) Hakim, Iftikhar(2010) The Indus water treaty: An Institutional Mechanism for Addressing Regional Disparity ,VDM Verlage,London,P.35

(2) Ibid,P.35

(3) Arora, R.K; (2007) The Indus water regime, New Delhi, Mohit Publications,p.g,25

(4) Shaw, Malcolm. Nathan; (5th edition 2003) International law, New York Cambridge university press, pg 794

(5) Malik, Bashir.A; (2005) Indus water treaty in retrospect, Lahore, Bright books, pg 145-146

(6) -do- 180

(7) -do- 185

(۸) رمیض احمد ملک،(۲۰۰۳ء)(تین دریا کیسے کھوئے) ساگر پبلشرز،لاہور ص ۱۲۵

(۹) ایضاً،ص ۲۱۵

(۱۰) ایضاً،ص ۲۱۶

(۱۱) ایضاً،ص ۲۱۶

(۱۲) ایضاً،ص ۲۱۸

(13) Choudhry,Shahid Amjad, Pakistan: Indus Basin water strategy-Past,Present and Future, The Lahore Journal of Economics

(14) Dutt, Kuntala Lahiri & Wasson, Robert j.(2008) Water First : Issues and Challenges for Nations and Communities in South Asia, Sage Publications, India, p.125

(15) SE(Sep2010) P.209

(16) Arora, R.K, P.233